© rasailojaraid.com

برصغیر میں قانونِ وقف علی الاولاد کا تاریخی مطالعہ

شاہ محی الحق فاروقی

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی پاداش میں برصغیر کے مسلمانوں کو جن عقوبتوں کا سامنا کرنا پڑا وہ تاریخ کا حصہ بن چکی ہیں۔ اس تحریک کی ناکامی کے بعد انگریزوں نے مسلمانوں سے جو انتقام لیا وہ اگر ایک وقتی حادثہ ہوتا تو شاید تھوڑے دنوں بعد لوگ اسے فراموش کر دیتے۔ لیکن مسلمانوں کو دوسرے درجہ کا شہری بنانے اور خصوصاً ہندوؤں کے مقابلہ میں ہر طرح پست اور ذلیل کر دینے کی کوشش انگریزوں کی حکمت عملی کا ایک مستقل جزو تھی۔ وہی مسلمان جو کچھ دنوں پہلے تک برصغیر کے حکمران تھے اب نان شبینہ کو محتاج ہو چکے تھے۔ کہیں کہیں اگر کوئی متمول مسلمان خاندان رہ گیا تھا تو رفتہ رفتہ وہ بھی نکبت و افلاس کا شکار ہوتا جا رہا تھا۔

سرسید احمد خان جنگ آزادی کے بعد مسلمانوں کے مصلح کی حیثیت سے افق شہرت پر نمودار ہوتے۔ وہ مسلمانوں کے لیے برابر آواز بلند کرتے اور غیر معمولی حد تک عملی کام بھی کرتے رہے۔ ان کے بہت سے نظریات سے اختلاف کیا جا سکتا ہے لیکن ان کے خلوص سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

جذبۂ خلوص ہی کے تحت بعض اوقات سرسید نے ایسی باتیں بھی کہیں جو باہم متضاد نظر آتی ہیں۔ مثلاً ارتکاز دولت کے سلسلہ میں ایک "معزز انگریز" کے نام لکھتے ہیں:

"اسلام اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ دولت ایک جگہ اکٹھی رہے۔ اسی اصول کے موافق اسلام کے بانی نے یہ قاعدہ بنایا کہ بعد فوت ہو جانے کسی شخص کے اس کی جائیداد بہت سے آدمیوں میں تقسیم ہو جاتی ہے کیونکہ کتنی ہی زیادہ جائیداد کیوں نہ ہو وہ بعد دو نسلوں کے یقیناً بہت سے حصوں میں تقسیم ہو جائے گی۔"[1]

---

[1] شیخ محمد اسماعیل پانی پتی، مکتوبات سرسید، مجلس ترقی ادب۔ لاہور، ۱۹۵۹ء، ص ۸۸-۱۸۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیکن برصغیر کے مسلمانوں کی معاشی پستی کو دیکھ کر ان پر مصلحت اور دور اندیشی غالب آگئی اور انہوں نے سوچا کہ "کوئی ایسی تدبیر کی جاوے جس سے مسلمانوں کی ریاستیں قائم رہیں اور مسلمانوں میں رئیس و ذی مقدور لوگ دکھائی دیں جن سے مسلمانوں کی قوم کی عزت اور امتیاز قائم رہے اور وہ تدبیر بھی ایسی ہونی چاہیئے کہ سُنّی اور شیعہ دونوں فریق کی فقہ کے مطابق ہو[۲]" آخر سر سید احمد خان اس نتیجہ پر پہنچے کہ "وقف مسئلہ جس کا اختیار مالک (جائیداد) کو بموجب شرع کے اپنی حیات میں حاصل ہے غور کے قابل ہے[۳]"

فتاویٰ عالمگیری اور شیعہ فقہ کی کتاب شرائع الاسلام[۴] سے ایک اقتباس دے کر سر سید نے یہ ثابت کیا کہ "شیعہ اور سُنّی دونوں مسالک کی رو سے ہر شخص کو اختیار ہے کہ اپنی جائیداد کو اپنے لیے اور اپنی اولاد اور اپنی نسل کے لیے وقف کر دے" جائیداد کو نسلاً بعد نسل وقف کر دینے کی صورت میں سر سید کو یہ فوائد نظر آئے کہ "جائیداد ہمیشہ کے لیے قائم و موجود رہے گی اور وقف کو اختیار ہوگا کہ وہ جس ترتیب اور قاعدے سے چاہے وقف کرے، جسے چاہے متولی مقرر کرے اور جس جس مقدار سے مناسب سمجھے اس کی آمدنی میں سالانہ مقرر کرے[۵]"

فقہ میں وقف علی الاولاد کی گنجائش پہلے ہی سے موجود ہونے کی وجہ سے بعض لوگ اپنی اولاد کے لیے جائدادیں وقف کر چکے تھے اور کر رہے تھے لیکن اس میں یہ دشواری تھی کہ "جو لوگ خانگی طور پر بلا مداخلت سرکار اپنی جائداد میں اپنے خاندان کے لیے وقف کرتے ہیں ایسے وقف سے کچھ فائدہ نہیں ہو سکتا کیونکہ اول

---

[۲] تہذیب اخلاق بابت ذی قعدہ ۱۲۹۶ھ "ایک تدبیر مسلمانوں کے خاندانوں کو تباہی اور بربادی سے بچانے کی" بحوالہ مولانا محمد اسماعیل پانی پتی، مقالات سر سید، حصہ پنجم (اخلاقی اور اصلاحی مضامین) مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۶۲ء ص ۹۷

[۳] ایضاً ص ۹۸

[۴] "شرائع الاسلام" علامہ نجم الدین جعفر الحلّی کی تصنیف ہے۔ مجموعہ قوانین اسلام جلد سوم مولفہ تنزیل الرحمٰن مطبوعہ ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد ص ۴۷ پر اس کتاب کا حوالہ اس طرح دیا ہے:
شرائع الاسلام، علامہ نجم الدین جعفر الحلّی، (م ۶۷۶ھ) مطبوعہ تہران ۱۳۷۷ھ

[۵] مقالات سر سید، محولہ بالا، ص ۹۸ - ۱۰۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تو یہ امید نہیں کہ وہ جانشینی کا ایسا قاعدہ کلیہ مقرر کر سکیں جس میں آخرکار خلشیں پیدا نہ ہوں اور نزاع کا احتمال باقی نہ رہے۔ دوسرے اس صورت میں ہمیشہ وقف کے فرضی اور فریبی ہونے کا الزام لگا کر اس کی منسوخی کے دعوے، جیسا کہ اکثر ہوتا رہتا ہے، عدالت میں دائر ہو سکتے ہیں۔ تیسرے چونکہ اکثر جائداد یں دیہات مالگزاری سرکار ہوتے ہیں اس لیے جب کوئی نالائق متولی یا جانشین زر مالگزاری سرکار ادا نہیں کرتا تو امر شرعی یا قانونی اس بات کا مانع نہیں ہوتا کہ وہ جائیداد بعلت باقی نیلام ہو جائے" اس لیے سرسید احمد خان ضروری سمجھا کہ " یہ مسئلہ شرعی بذریعہ ایک قانون کے گورنمنٹ کی منظوری سے استحکام پائے"[۱]

سرسید وائسرائے کی قانون ساز کونسل کے ایک رکن تھے۔ لہذا انھوں نے ارادہ کیا کہ کونسل کے ذریعہ وقف الاولاد کو قانونی حیثیت دلائی جائے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے انہوں نے ایک تفصیلی مسودہ تیار کیا اور وائسرائے سے اجازت لے کر اخبارات کے ذریعہ اس مسودہ کو مشتہر کیا۔ مسلمان رئیسوں اور ممتاز لوگوں نے اس تجویز کو نہایت پسند کیا اور " نہایت مستند عالموں نے وقف خاندانی کے مسئلہ کو تسلیم کیا اور اس کے جواز پر فتویٰ لکھ دیا لیکن کچھ مسلمانوں نے سخت مخالفت کی"[۲]

سرسید احمد خان کا مسودہ قانون پانچ حصوں پر منقسم سینتالیس دفعات پر مشتمل تھا۔ اس کی قابل ذکر باتیں یہ تھیں :

ایکٹ ہذا میں۔۔۔ لفظ مسلمان میں اس مذہب کے کل فرقے شامل ہیں" لفظ جائداد سے مراد وہ جائداد ہے جو زمینداری یا معافی پر مشتمل ہو"

اس تجویز کا مطلب یہ تھا کہ اس قانون کا اطلاق مکانات و دکانات وغیرہ پر نہ ہوتا۔ کیونکہ سرسید کی رائے میں جو جائداد اس قانون سے متعلق ہوگی ضرور ہے کہ وہ ایسی ہو جو ہمیشہ کو قائم رہے" وقف کی جانے والی جائداد کی سالانہ مالیت دس ہزار روپے سے کم نہ ہو۔

اس تجویز کی توجیہ سرسید نے یہ کی تھی کہ " چونکہ مقصد اس قانون کے بنانے سے یہ ہے کہ مسلمان خاندان میں ہمیشہ ریاست قائم رہے اس لیے ضروری ہے کہ کوئی حد مقرر کی جائے کہ کس قدر آمدنی کی

---

[۱] مولانا الطاف حسین صاحب حالی مرحوم، حیات جاوید، اکادمی پنجاب، لاہور، ۱۹۵۷ء صہ ۲۸۴ مزید ملاحظہ ہو مقالات سرسید، محولہ بالا ص ۹۶ - ۱۰۵

[۲] حیات جاوید، محولہ بالا ص ۲۸۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جائداد بطور ریاست قائم ہو اس لیے وہ تعداد اختیار کی گئی ہے جو اودھ کے تعلقہ داروں کی ریاست کے لیے ہے"۔

"ہر جانشین کی وفات پر جائداد اس شخص کو پہنچے گی جو متوفی سے درجہ قرابت میں اقرب ہو" جائداد وقت واحد میں صرف ایک شخص کو ملے گی"۔

"ذکور کو اناث پر، ایک ہی درجہ قرابت کے حقیقی رشتہ دار کو سوتیلے رشتہ دار پر، کبیر السن کو صغیر السن پر اور کبیر السن کی اولاد کو صغیر السن کی اولاد پر ترجیح ہوگی"۔[۸]

چونکہ سرسید احمد کے نزدیک اس مسودہ قانون کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ کس طرح مسلمانوں میں ایک معتدبہ مقدار ر ذی وسا، ممتاز لوگوں اور صاحب جائداد حضرات کی باقی رہے۔ غالباً اسی لیے مجوزہ قانون میں انہوں نے وقف کی شرائط خود ہی متعین کر دی تھیں۔ یعنی وقف شدہ جائداد سے اصل استفادہ صرف متولی کر سکتا تھا۔ بقیہ قرابت داروں کی "پرورش" کے لیے ایک مواجب سالانہ دینے کی سفارش کی گئی تھی جس کی کیفیت یہ تھی کہ اگر جائداد کی مالیت سالانہ تین لاکھ روپے یا اس سے زائد ہو تو متوفی کے تمام رشتہ دار مل کر زیادہ سے زیادہ نو ہزار روپے پا سکتے تھے اور اس کے لیے بھی یہ شرط تھی کہ "رشتے دار مذکورہ بروز وفات جانشین متوفی کے اس کے ساتھ سکونت اور خورد نوش رکھتا ہو نیز (وہ) اور کوئی کافی ذریعہ پرورش کا نہ رکھتا ہو اور نہ رکھنے والا ہو"۔[۸] کم مالیت کی جائداد میں مواجب کی شرح بھی کم تھی۔

موافق اور مخالف آرا موصول ہونے کے بعد سرسید احمد خان باوجود خواہش کے کونسل میں اپنا مسودہ پیش نہ کر سکے کیونکہ ایک قانونی دشواری یہ پیش آ گئی کہ "فقہ کی رو سے ضرور تھا کہ جو وقف اولاد کے لیے کیا جائے وہ دوامی ہو نہ (کہ) میعادی مگر ولایت کے مقننوں کی یہ رائے قطعی طور پر قرار پا چکی تھی کہ کسی جائداد کو ہمیشہ کے لیے ناقابل انتقال بنا دینا ملک کو نقصان پہنچانا ہے۔ پس سرسید کے بعض دوستوں نے یہ صلاح دی کہ موجودہ صورت میں مسودہ قانون پیش کرنا عبث ہے"۔[۹]

---

[۸] مقالات سرسید، محولہ بالا ص ۱۰۸، ۱۰۹ / ۱۲۸

[۹] حیات جاوید محولہ بالا ص ۲۸۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سر سید نے مذکورہ بالا تجویز نومبر ۱۸۷۹ء میں پیش کی تھی اور ۱۸۸۰ء کی کسی تاریخ کو وہ اس سے دست کش ہو گئے ہوں گے لیکن ۔

یک بار نالہ کردہ ام از درد اشتیاق
از شش جہت ہنوز صدا میتواں شنید

سر سید نے جو آواز بلند کی اس کی صدائے بازگشت وقتاً فوقتاً گونجتی رہی جسٹس مولوی سید امیر علی نے جس زمانہ میں وہ ہائی کورٹ کلکتہ کے جج تھے، وقف کے ایک مقدمہ میں (میر محمد اسمٰعیل بنام منشی چرن گھوش) اس مسئلہ کے جواز کے تمام دلائل لکھے ۔ لیکن حکام پریوی کونسل نے (ابوالفتح بنام راس مایا چودھری مندرجہ جلد ۲۲ ترجمہ انڈین لا رپورٹ مطبوعہ جولائی ۱۸۹۵ء) ان دلائل کو ناکافی خیال کیا اور "وقف علی الاولاد کو ناجائز قرار دے دیا" ہائی کورٹ سے وظیفہ یابی کے بعد سید امیر علی نے ۱۹۰۵ء میں لندن کے ایک مشہور رسالہ (نائنٹینتھ سینچری) میں ایک مدلل مضمون لکھا۔ بنگال ایسوی ایشن نے گورنمنٹ کی خدمت میں عرضداشت بھیجی۔ نواب عماد الملک مولوی سید حسین بلگرامی نے جو انڈیا کونسل کے ممبر تھے وزیر ہند سے اس مسئلہ میں گفتگو کی لیکن یہ تمام کوششیں ناکام رہیں یہاں تک کہ ۱۹۰۸ء میں مولانا شبلی نعمانی مرحوم نے اس مسئلہ کو اپنے ہاتھ میں لیا۔

برصغیر کے مسلمانوں کے تعلیمی، ثقافتی، سیاسی، مذہبی اور ملی مسائل سے مولانا کی دلچسپی کسی تفصیلی تعارف کی محتاج نہیں اور وقف تو ان کے عزیز ترین شاگرد مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم کے الفاظ میں "ایک ایسا مسئلہ تھا جس پر نہ صرف مسلمانوں کی جائداد کا تحفظ اور بقاء موقوف تھا بلکہ اس کے ذریعہ سے ان نوجوانوں کی اخلاقی اصلاح بھی ہو سکتی تھی جو اپنے آبا و اجداد کی جائداد کو نہایت بیدردی اور ناعاقبت اندیشی کے ساتھ اپنی ہوائے نفسانی پر قربان کر رہے تھے"۔[۱۱]

مکمل غور و خوض کے لیے مولانا شبلی نے اس مسئلہ کو تین اجزاء میں تقسیم کیا:۔

---

۱۰ مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم، حیات شبلی، دار المصنفین اعظم گڑھ، ۱۳۶۲ھ (۱۹۴۳ء) ص ۵۴۷

۱۱ ایضاً ص ۵۴۸

© rasailojaraid.com

۱- آیا یہ مسئلہ حقیقت میں مسلمانوں کا مذہبی مسئلہ ہے یا نہیں؟
۲- اگر ہے تو حکومت کو کیونکر اس کا یقین دلایا جا سکتا ہے؟
۳- گورنمنٹ پریوی کونسل کے فیصلہ میں مداخلت کر سکتی ہے یا نہیں؟[12]

پہلی شق اثباتی طور پر مولانا کے نزدیک واضح تھی۔ دوسری اور تیسری شق کے متعلق انہوں نے ممتاز مسلمان قانون دانوں اور سربرآوردہ لوگوں سے خط و کتابت کی۔ ان میں اکثر نے اُمید افزا جواب دیا اور مشورہ دیا کہ پہلے حکومت کو اس بات کا یقین دلانا ضروری ہے کہ یہ مسلمانوں کا مسئلہ مذہبی مسئلہ ہے۔

مسئلہ کی تینوں شقوں پر اطمینان حاصل کر لینے کے بعد مولانا شبلی نے نومبر ۱۹۰۸ء میں ندوۃ العلماء کے ایک جلسہ عام منعقدہ لکھنؤ میں یہ مسئلہ پیش کیا اور ۲۴ دسمبر ۱۹۰۸ء کے "الندوہ" میں ایک کھلے خط کی حیثیت سے اسے شائع کیا جس میں اس مسئلہ کو آگے بڑھانے کا پورا لائحہ عمل پیش کیا۔ اس کے بعد انہوں نے خود تمام علماء سے استفتاء کیا۔ اصل فتویٰ مولانا فضل حق صاحب رامپوری مدرس اعلیٰ، مدرسہ عالیہ رامپور (متوفی ۱۳۵۸ھ) نے لکھا جس کی متفقہ تائید پشاور سے بنگال تک شیعہ و سُنی علماء نے کی۔ اس کے بعد خود مولانا شبلی نے اس مسئلہ پر ایک نہایت مدلل رسالہ لکھا جس میں پریوی کونسل کے تمام دلائل کے جواب دیئے اور مسئلہ کی شرعی مصلحتیں ظاہر فرمائیں اور ندوۃ العلماء کے جلسہ انتظامیہ مورخہ ۲ مئی ۱۹۰۹ء میں اس کو پیش کیا۔[13] اس رسالہ میں پہلے مولانا نے مسئلہ کی تفصیل بیان کی اور بتایا کہ پریوی کونسل نے حسب ذیل وجوہ کی بنا پر وقف علی الاولاد کو ناجائز قرار دیا ہے:-

۱- اپنی اولاد پر وقف کرنا کوئی ایثار نفس اور فیاضی نہیں ہے۔
۲- جب شریعت میں ہبہ مشروط ناجائز ہے تو اس قسم کا وقف کیونکر جائز ہوگا۔
۳- جسٹس امیر علی نے اپنے فیصلہ میں وقف علی الاولاد کے جواز میں جو حدیثیں پیش کی تھیں وہ پریوی کونسل کے نزدیک اخلاقی باتیں ہیں جو مناسب موقعوں پر کہی جاتی ہیں لیکن وہ کسی قانونی یا

---

[12] مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم، حیات شبلی، دار المصنفین اعظم گڑھ، ۱۳۶۲ھ (۱۹۴۳ء) ص ۵۳۳

[13] ایضاً ص ۵۴۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فقہی مسئلہ کی بنیاد نہیں بن سکتیں اس طرح انہوں نے حضور پاکؐ اور صحابہ کرامؓ کے زمانہ سے جو مثالیں پیش کی تھیں انہیں پریوی کونسل کے حکام نے ناکافی سمجھا۔ اس کے بعد مولانا شبلی نے وقف کی کیفیت قائم کرنے کی تجویز پیش کر کے تفصیل سے یہ بتایا کہ:۔

۱۔ اولاد پر وقف کرنا حدیث اور فقہ دونوں سے ثابت ہے اور مسلمانوں کے تمام فرقے اس میں متفق الرائے ہیں۔

۲۔ حکام انگریزی بالخصوص پریوی کونسل نے کس بنا پر اس مسئلہ کے سمجھنے میں غلطی کی ہے۔ اس اصول کے ثبوت میں کہ "شریعت اسلامی میں خیرات اور صدقہ غیروں پر محدود نہیں بلکہ خود اپنے اہل و عیال کو دینا بھی صدقہ اور خیرات ہے" مولانا نے قرآن مجید کی حسب ذیل آیت استدلال کیا۔

"یہ نیکی نہیں ہے کہ تم اپنے منہ مشرق اور مغرب کی طرف پھیر دو لیکن نیکی یہ ہے کہ جو شخص خدا پر اور قیامت پر اور فرشتوں پر اور کتاب پر اور انبیاء پر ایمان لاتے اور خدا کی محبت میں اپنا مال رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور مسکینوں کو اور مسافر کو اور سائل کو آزاد کرنے کے لیے دے" [۱۴]

اس کے علاوہ مولانا نے صحاح ستہ کی حدیثیں پیش کیں اور کہا کہ "ان تمام احادیث سے ثابت ہے کہ اسلام کا یہ اصول ہے کہ خیرات اور صدقہ جس طرح غیر لوگوں کو دینا ثواب ہے اسی طرح اپنی اولاد، عزیز اور اقارب کو دینا بھی ثواب ہے۔ انگریزی میں بھی مثل ہے کہ خیرات گھر سے شروع ہوتی ہے"۔ مولانا نے دوسرا اصول یہ بیان کیا کہ:۔

"اسلام نے خیرات کے دو طریقے قرار دیئے ہیں ایک یہ کہ اصل چیز خیرات میں دے دی جائے۔ دوسرے یہ کہ اصل چیز محفوظ رہے اور اس کا منافع یا آمدنی خیرات میں صرف ہوتی رہے اس دوسری قسم کا نام وقف ہے"۔

اس قسم کے ثبوت کے لیے مولانا نے بخاری، فتح القدیر، حاشیہ ہدایہ اور عینی شرح ہدایہ سے مثالیں پیش کیں اور بتایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورہ اور اجازت سے حضرت ارقم، ابوبکر صدیق، عمر فاروق، سعد بن ابی وقاص، عمرو بن العاص، زبیر، علی، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم اجمعین نے اولاد کے لیے اوقاف

---

[۱۴] قرآن پاک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قائم کیے تھے جو "محدثین کی روایت کے مطابق چوتھی صدی ہجری تک قائم تھے"۔ اس کے بعد فتاویٰ قاضی خاں، فتاویٰ عالمگیری اور درمختار کے حوالوں سے مولانا نے وقف علی الاولاد کا فقہی جواز پیش کیا اور بتایا کہ "صرف امام ابوحنیفہ سرے سے وقف کے قائل نہیں یعنی ان کے نزدیک وقف میں واقف کی ملکیت ساقط نہیں ہوتی اور واقف جب چاہے وقف سے رجوع کر سکتا ہے لیکن تمام فقہا نے تصریح کی ہے کہ امام ابوحنیفہ کے قول پر فتویٰ نہیں ہے بلکہ قاضی ابویوسف اور امام محمد کے قول پر فتویٰ ہے"۔ اس سلسلہ میں مولانا نے بحرالرائق شرح کنزالدقائق مصنفہ علامہ ابن نجیم (مطبوعہ مصر مطبع علمیہ، طبع اول صد ۲۰۹) کی عبارت پیش کی اس کے ایک اقتباس کا ترجمہ حسب ذیل ہے:۔

"پہلے قاضی ابویوسف بھی امام ابوحنیفہ کے ہم خیال تھے لیکن جب انہوں نے ہارون الرشید کے ساتھ حج کیا اور مدینہ میں صحابہ کے اوقاف دیکھے تو ان کی رائے بدل گئی اور فتویٰ دیا کہ وقف لازم ہے اور امام محمد نے اپنی کتاب میں امام ابوحنیفہ کے قول پر بہت تعجب کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ زبردستی ہے"۔ اس کے بعد پریوی کونسل کے شہادت کا مدلل جواب دیتے ہوئے مولانا نے ثابت کیا کہ "بخلاف ہبہ کے جس میں ہمہ وجوہ کوئی ثواب کا کام قرار نہیں دیا گیا وقف کے معنی یہ ہیں کہ مستقل اور مستمر طور پر ایک گروہ کی پرورش اور بقائے زندگی کا سامان کیا جائے اس طرح کہ یہ ذریعہ معاش کوئی شخص منقطع نہ کرنے پائے"۔

مولانا شبلی نے اپنے رسالہ کا خاتمہ ان الفاظ پر کیا "جب تمام مذکورہ بالا حدیثوں اور فقہی روایتوں سے ثابت ہو گیا کہ اسلام میں اولاد پر وقف کرنا جائز اور واجب النفاذ ہے تو پریوی کونسل کو اسلام ہی کے مطابق وقف کے مسئلہ پر عمل کرنا چاہیے کیونکہ گورنمنٹ انگریزی کا یہ اصول ہے کہ وہ کسی قوم کے مذہبی احکام میں کوئی مداخلت نہیں کرتی"۔[15]

مسئلہ کو آگے بڑھانے کے لیے ندوۃ العلماء کی زیر حمایت ایک "مجلس وقف" قائم کی گئی جس نے اور کارروائیوں کے علاوہ حکومت کے لیے ایک عرضداشت تیار کی اور اس پر ہر طبقہ کے ہزاروں آدمیوں کے دستخط کروائے۔[16]

---

۱۵ مولانا شبلی کے زیر حوالہ رسالہ کے لیے ملاحظہ ہو مقالات شبلی، جلد سوم، دارالمصنفین، اعظم گڑھ ۱۳۵۱ھ، (۱۹۳۲ء) صد ۱۰۴، ۸۲

۱۶ اس مجلس کی کارروائیوں کے لیے ملاحظہ ہو مقالات شبلی جلد ہشتم، دارالمصنفین اعظم گڑھ، ۱۳۵۷ھ،

باقی اگلے صفحہ پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تجویز کی شہرت کے ساتھ ساتھ تائید کرنے والوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ شہر شہر میں اس کی اعانت و ہمدردی کے لیے نہایت شاندار جلسے ہوئے اور لوگوں نے بخوشی چندے دیئے۔ ۱۹۱۰ء میں شیعہ کانفرنس نے بھی اس کی تائید میں ایک خاص ریزولیشن پاس کیا۔ اسی سال جنوری میں مسلم لیگ کے اجلاس دہلی میں بھی ایک خاص ریزولیشن منظور ہوا۔[۳۱]

ادھر یہ سب کچھ ہو رہا تھا کہ اسی اثنا میں ایک دستوری اصلاح کے ذریعے وائسرائے کی قانون ساز کونسل کو بھی وضع قوانین کے کچھ اختیارات مل گئے۔ چنانچہ مولانا شبلی نے اپنی توجہ کونسل کی جانب مرکوز کر دی اور انہوں نے رابطے قائم کر کے کونسل کے ممبروں کو مجوزہ قانون کی تائید پر آمادہ کیا۔[۳۲]

مولانا شبلی نے دبی ہوئی جس آواز کو دوبارہ بلند کیا کونسل میں اس کی صدائے بازگشت پہلی بار ۱۹۱۰ء کے اجلاس میں سنائی دی۔ ۲۵ فروری ۱۹۱۰ء کو کونسل کے ایک رکن (قائداعظم) محمد علی جناح کے ایک سوال کے جواب میں سرکاری رکن سر ہارورے ایڈمسن نے کہا:

حکومت ان اعتراضات سے باخبر ہے جو وقت کے ساتھ ساتھ پریوی کونسل کے مختلف فیصلوں پر کیے جا رہے ہیں (لیکن) جیسا کہ اسے مشورہ دیا گیا ہے حکومت کوئی ایسا قانون بنانے کا ارادہ نہیں رکھتی جو ان فیصلوں کو بدل دے جن پر اعتراض کیا گیا ہے۔ بہرحال حکومت ہمیشہ قانون سازی کے سلسلے میں ایسی مخصوص تجاویز پر پوری طرح غور کرنے کے لیے ہمیشہ تیار ہے جو ایک محدود قسم کے خاندانی بندوبست کے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے کی گئی ہوں۔ بشرطیکہ یہ تجاویز عام طور سے مسلمانوں فرقہ کے قابل قبول ہوں۔[۳۳]

۱۷ مارچ ۱۹۱۱ء کو گورنمنٹ ہاؤس کلکتہ میں گورنر جنرل کی کونسل کا اجلاس منعقد ہوا جس میں

حاشیہ ۳۱ (۱۹۳۸ء) "کارروائی انجمن وقف علی الاولاد" (صفحہ ۲۱-۱۶) "وقف اولاد کی کارروائی کہاں تک پہنچی" (صفحہ ۲۵-۲۲) "وقف اولاد کے مسئلہ کے متعلق ایک نہایت ضروری تحریک" (صفحہ ۱۴/۱/۲۸)

۳۲ حیات شبلی، محولہ بالا، صفحہ ۵۴۲

۳۳ گورنر جنرل کونسل کی روداد بابت اپریل ۱۹۰۹ء تا مارچ ۱۹۱۰ء، جلد ۴۸ سپرنٹنڈنٹ گورنمنٹ پرنٹنگ، انڈیا کلکتہ ۱۹۱۰ء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قائداعظم محمد علی جناح نے "اپنے خاندان اور ورثا کے حق میں بذریعہ وقف جائداد کے انتظام کے سلسلہ میں ملک معظم کی مسلمان رعایا کے حقوق کی تعریف" کے لیے ایک مسودہ قانون پیش کرنے کی اجازت چاہی اور اس سلسلہ میں ایک طویل تقریر کے ذریعہ اس مسئلہ کا پس منظر اور فقہی حیثیت بیان کی انھوں نے ان کوششوں کا بھی ذکر کیا جو ایوان سے باہر مختلف مسلمان عمائدین اور انجمنیں وقف علی الاولاد کے سلسلہ میں کر رہی تھیں۔ اس ضمن میں انھوں نے بطور خاص ندوۃ العلماء اور "ان عظیم اور فاضل مولوی" کا ذکر کیا جو مولوی شبلی کے نام سے مشہور ہیں، جو مسلمان فرقہ پر بڑا اثر رکھتے ہیں اور جن کی رائے جہاں تک مسلمان فرقہ کا تعلق ہے ملک کے لیے انتہائی قدر و قیمت کی حامل ہے" قائداعظم نے مولانا شبلی کے مضمون سے اقتباس پڑھ کر سنایا۔

اپنے مسودہ قانون میں قائداعظم نے وقف کی رجسٹریشن کو لازمی قرار دیا تھا۔ اس سلسلہ میں ان کی توجیہ یہ تھی کہ ہندوستان کی مختلف ہائی کورٹوں اور پریوی کونسل کے خیال کے مطابق وقف میں فریب کا امکان تھا۔ قائداعظم کی رائے میں یہ اعتراض خاصا وقیع تھا مثلاً ایک شخص وقف کرتا ہے۔ فرض کیجیے اس نے وقف نامہ کو رجسٹر نہیں کرایا۔ وقف کا کاغذ وقف کے ورثا کے قبضہ میں ہوگا اور ہو سکتا ہے اسے ظاہر کیے بغیر وہ جائداد کو رہن رکھ دیں۔ جہاں تک ان کا اپنا تعلق ہے ان کے لیے وقف نامہ چھپانے ہی میں فائدہ ہوگا لیکن دوسری نسل یہ اعتراض کر سکتی ہے کہ رہن رکھنے والی نسل کو جائداد سے صرف اپنی زندگی تک متمتع ہونے کا حق حاصل تھا۔ انھیں صرف آمدنی مل سکتی تھی لہٰذا رہن ناقص تھا ایسی صورت میں مرہون پریشانی میں مبتلا ہو جائے گا۔ ان خطرات کے پیش نظر قائداعظم نے اپنے مسودہ میں وقف نامہ کے لیے رجسٹری ضروری قرار دی تھی۔

قائداعظم کے مسودہ قانون کے سلسلہ میں چھ ہندو اور چار مسلمان ممبروں نے تائیدی تقریریں کیں اور حکومت کی طرف سے مسٹر ارل نے مسودہ پیش کرنے کے لیے حکومت کی رضامندی کا اظہار کیا۔ صرف ایک ہندو ممبر بابو بھوپیندر ناتھ باسو نے یہ رائے ظاہر کی کہ قرض خواہوں کے مفاد کے سلسلہ میں مجوزہ تحفظات تسلی بخش نہیں ہیں۔

آخر میں قائداعظم کی یہ تحریک منظور ہو گئی کہ مسودہ قانون کو مع اس کے اغراض و مقاصد کے بیان کے مرکزی اور صوبائی حکومتوں کے گزٹوں میں شائع کر دیا جائے[۱۹]

---

۱۹ ایضاً بابت اپریل ۱۹۱۰ء تا مارچ ۱۹۱۱ء جلد ۴۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۵ فروری ۱۹۱۳ء کو قائداعظم نے مسودہ پر مجلس منتخبہ کی رپورٹ پیش کی[۱۲] اور ۵ مارچ ۱۹۱۳ء کو انہوں نے تجویز کیا کہ مجلس منتخبہ کی رپورٹ پر غور کیا جائے۔ اس سلسلہ میں اپنی تقریر میں انہوں نے پہلے ان اعتراضات سے بحث کی جو مسودہ پر مختلف صوبوں اور خصوصاً ہائی کورٹ کے ججوں، ڈسٹرکٹ ججوں اور غیر مسلم رائے کی طرف سے موصول ہوئے تھے۔

پہلا اعتراض یہ تھا کہ مسودہ مفاد کے خلاف ہے۔ قائداعظم نے کہا کہ ہمارا مقصد مسلمانوں پر مسلمانوں کا قانون نافذ کرنا ہے لہذا مفاد عامہ کا سوال خارج از بحث ہے۔

دوسرا سوال قرض خواہوں کے مفاد کی ضمانت سے متعلق تھا۔ قائداعظم نے اس سوال پر سیر حاصل بحث کی اور بتایا کہ عدالتوں کی موجودگی میں اس بات کا کوئی امکان نہیں ہے کہ کوئی شخص قرض خواہوں کو دھوکہ دینے یا ادائیگی میں تاخیر کرنے کی نیت سے اپنی جائداد وقف کر دے کیونکہ اگر یہ بات ثابت ہوگئی تو وقف مذکورہ کالعدم قرار دے دیا جائے گا اس بنا پر قائداعظم نے اس تجویز کو رد کر دیا کہ زبانی وقف کو تسلیم نہ کیا جائے انہوں نے کہا کہ یہ مسلمانوں کا مذہبی مسئلہ ہے اور اس میں زبانی وقف کی اجازت ہے اسی لیے ہم نے رجسٹریشن کی دفعہ کو اپنے مسودہ سے خارج کر دیا۔

ایک ہندو ممبر کی اس تجویز پر کہ مسلمان قانون بنوانے کی بجائے اس مسئلہ کو پھر پریوی کونسل میں کیوں نہیں لے جاتے۔ قائداعظم نے کہا کہ پریوی کونسل نے اپنے فیصلہ کو کبھی نہیں بدلا لہذا ہمیں پریوی کونسل میں عزت مآب جناب امیر علی کی موجودگی کے باوجود وہاں کے انگریز ججوں سے اندیشہ ہے۔

ملک عمر حیات خان صاحب نے کہا کہ مسودہ پیش ہوتے وقت وہ اس پر کوئی رائے نہیں دے سکے تھے کیونکہ انہوں نے پنجاب کے مسلمانوں کی رائے معلوم نہیں کی تھی۔ لیکن اس اثنا میں انہوں نے پوری تحقیق کرلی کہ یہ قانون مسلمانوں کے مذہب کے مطابق ہے اور پنجاب کے مسلمان اس کے حق میں ہیں۔ مسٹر قمرالہدی نے قرآن و حدیث کے حوالے پیش کیے اور کہا کہ ترکی، مصر، برطانوی، افریقی نوآبادیات افریقہ میں فرانسیسی مستعمرات، مراکش اور ایران اور ہندوستان میں حیدرآباد، بھوپال اور دوسری مسلمان ریاستوں میں وقف علی الاولاد کے مسئلہ پر عمل ہوتا ہے اور مسودہ زیر بحث پر بھی صرف بنگال اور بمبئی

---

[۱۲] ایضاً بابت اپریل ۱۹۱۲ء تا مارچ ۱۹۱۳ء جلد ۵۱، سپرنٹنڈنٹ گورنمنٹ پرنٹنگ انڈیا، دہلی، ۱۹۱۳ء صـ ۲۵۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی صوبائی حکومتوں نے اعتراض کیے تھے۔ وہ بھی اس بنا پر نہیں کہ یہ مسلمانوں کا مذہبی مسئلہ نہیں ہے بلکہ مفادِ عامہ وغیرہ کے نام سے۔

رائے بیتانا تھ رائے نے مسلمان ممبروں کو مبارک باد دی کہ اس مسئلہ میں وہ متفق الرائے تھے۔

مسٹر عبدالکریم ابواحمد غزنوی نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ انہیں ابتدا میں اس مسودہ پر صرف یہ اعتراض تھا کہ اس میں ان اوقاف کو تحفظ نہیں دیا گیا جو پہلے سے موجود ہیں لیکن چونکہ مجلس منتخبہ میں انہیں یقین دلایا گیا ہے کہ اس قانون کی حیثیت محض استقراری ہے لہٰذا یہ تمام اوقاف پر وہ پہلے کیے گئے ہوں یا بعد میں کیے جائیں حاوی ہوگا۔ اس توضیح کی روشنی میں انہوں نے اپنی ترامیم واپس لے لی اور مسودہ کی تائید کی۔

ہندو ممبران اس قانون سے بہت زیادہ خوش نہیں تھے اور ان میں سے بعض نے خاصی طنز آمیز تقریریں بھی کیں۔ سید علی امام نے جواب دیتے ہوئے اس شخص کو مثال دی جس نے کسی لڑکے کو متبنیٰ بنایا۔ لیکن برسوں اس کی بدصورتی پر پچھتاتا رہا۔ یہ گویا تعریض تھی۔ ہندو ممبروں کے اس رویہ پر کہ ابتداء میں تو انہوں نے مسودۂ قانون کی تائید کی اور پھر اس میں طرح طرح کے کیڑے نکالے گئے۔

ایک ہندو ممبر نے کہا کہ اگر تجربہ کے بعد یہ محسوس ہوا کہ اس قانون کے ذریعہ خصوصاً زبانی وقف کا سہارا لے کر کسی طبقہ کو دھوکا دیا جارہا ہے تو ہم ان طبقوں کی حفاظت کے لیے اس قانون میں ترمیم کی تجویز پیش کریں گے۔ اصولی مخالفت کے باوجود تمام ہندو ممبروں نے یہ کہہ کر مسودہ کی تائید کی کہ مسلمانوں نے متفقہ طور پر اسے اپنا مذہبی مسئلہ بنایا ہے۔ قائد اعظم کو مبارک باد دی گئی کہ یہ پہلا قانون تھا جسے ایک غیر سرکاری ممبر نے پیش کیا تھا۔

مسودہ قانون رائے شماری کے لیے پیش ہوا اور منظور کر لیا گیا۔[۱۲۱] وقف علی الاولاد کا قانون جو کتنے مراحل سے گزر کر ہمارے سامنے آیا آج کل قانون جواز اوقاف مسلمانان ۱۹۱۳ء کے نام سے مجموعہ قوانین پاکستان میں موجود ہے یہ چھوٹا سا قانون تمہید وغیرہ ملا کر محض پانچ دفعات پر مشتمل ہے جس کی دفعہ ۳ کی رو سے کسی شخص کے لیے جو مذہب اسلام کا پیرو ہو جائز ہوگا کہ وہ کوئی وقف جو شرع اسلام کی شرائط کے مطابق ہو منجملہ دیگر مقاصد کے حسب ذیل مقاصد کے لیے قائم کرے۔

۱۲۱۔ ایضاً صد ۳۴۶ - ۳۳۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(الف) کلیتاً یا جزواً اپنے خاندان، اولاد یا نسل کی پرورش یا گزارے کے لیے اور
(ب) اگر واقف حنفی مسلمان ہو تو اپنی زندگی میں خود اپنی پرورش یا گزارے کے لیے یا جائداد موقوفہ کی آمدنی یا منافع سے اپنے قرضے ادا کرنے کے لیے۔
مگر شرط یہ ہے کہ ایسی صورتوں میں آخری مفاد صراحتاً یا کنایتاً مساکین کے لیے یا کسی دوسرے مقصد کے لیے مخصوص کر دیا جائے۔ جو از روئے شرع اسلام مستقل نوعیت کا مذہبی صالح اور خیراتی مقصد تسلیم کیا جاتا ہو۔

سرسید احمد خان کے مسودہ میں یہ لازمی شرط تھی کہ کوئی شخص صرف ایک خاص قسم اور خاص مالیت کی جائداد خاص شرائط کے تحت ہی وقف کر سکتا تھا۔ بالفاظ دیگر انہوں نے اس بات کے التزام کے کہ اپنے مسودہ کے تمام مشمولات کو اسلامی قوانین کے سانچے میں ڈھال لیں محض برصغیر کے مسلمانوں کے مخصوص معاشی حالات کے پس منظر میں ایک مستقل اور "خود ساختہ" قانون وضع کرنے کی کوشش کی تھی جسے صرف اہمیت دینے کے لیے اسلام کی جانب سے منسوب کر دیا گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا تمام مسودہ ایسی شرائط سے بھرا ہوا ہے جو لزوم مالا یلزم کے زمرہ میں آتی ہیں۔ اس کے برعکس قائد اعظم کا موقف بہت واضح اور مختصر تھا یعنی اسلام نے مسلمانوں کو وقف علی الاولاد کی اجازت دی ہے۔ لیکن غلط فہمی کی وجہ سے پریوی کونسل نے وقف علی الاولاد کو اور اس کے تحت قائم کیے ہوتے اوقاف کو تسلیم نہیں کیا لہٰذا ایک ایسا قانون ضروری ہے جو وقف علی الاولاد کو تسلیم کرے اور مسلمانوں کے تمام ایسے اوقاف کو خواہ وہ نفاذ قانون سے پہلے ہو چکے ہوں یا بعد میں قائم کیے جائیں قانوناً جائز قرار دے۔ اس پس منظر میں دیکھا جائے تو قائد اعظم کا قانون سرسید کے مسودہ قانون سے زیادہ اسلامی تھا۔ کیونکہ اس میں واقف پر خواہ مخواہ کی پابندیاں نہیں لگائی گئی تھیں۔

اُوپر یہ ذکر ہو چکا ہے کہ قائد اعظم کے مسودہ قانون پر بحث کرتے ہوتے اسمبلی میں مسٹر غزنوی نے اس شبہ کا اظہار کیا تھا کہ شاید یہ قانون موثر بہ ماضی (RETROSPECTIVE) نہ ہوا اور نفاذ قانون سے پہلے کے قائم شدہ اوقاف کو اس سے کوئی فائدہ نہ پہنچے آخر ان کا شبہ صحیح ثابت ہُوا اور ہندوستان کے

---

۲۲ ایضاً جلد پنجم بابت ۱۹۲۹ء گورنمنٹ آف انڈیا پریس، شملہ ۱۹۳۰ء، صہ ۳۴ - ۱۶۳۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مختلف ہائی کورٹوں نے یہ فیصلہ دیا کہ ۱۹۱۳ء والا قانون موثر بہ ماضی نہیں بلکہ محض موثر بہ مستقبل (PROSPECTIVE) ہے لہٰذا ۲۶ ستمبر ۱۹۲۹ء کو قانون ساز اسمبلی میں مسٹر اے۔ ایچ، غزنوی (ڈھاکہ ڈویژن، مسلم دیہی) نے ۱۹۱۳ء والے قانون میں ترمیم کی غرض سے ایک مسودۂ قانون یہ کہہ کر پیش کیا کہ دراصل ان کا "چھوٹا سا مسودہ مسٹر جناح کے پوتے کی حیثیت رکھتا ہے"۔[۲۲]

۲۳ جنوری ۱۹۳۰ء کو مسودہ مجلس منتخبہ کے سپرد کر دیا گیا[۲۳]

۱۵ جولائی ۱۹۳۰ء کو مسٹر اے۔ ایچ، غزنوی نے مجلس منتخبہ کی رپورٹ کے ساتھ مسودہ کو منظوری کے لیے پیش کیا۔ وادیٔ سرما مع شیلانگ کے ممبر رائے بہادر ایس سی دتا نے یہ کہہ کر کہ وہ اپنے حلقۂ انتخاب کے کچھ مسلمانوں کے جذبات کی نمائندگی کر رہے ہیں یہ ترمیم پیش کی کہ مسودۂ قانون کو استقراری حیثیت دینے کی بجائے خود اس قانون کا نفاذ یکم اگست ۱۹۳۱ء سے کیا جائے تاکہ ان لوگوں کو دوبارہ سوچنے کا موقع مل جائے۔ جن کا اس اثنا میں مستقل حق (VESTED RIGHT) قائم ہو چکا ہے۔ اس ترمیم کی مخالفت مجوزہ قانون کے علاوہ کئی دوسرے ممبران بشمول ڈاکٹر اے سہروردی نے کی اور آخر کار مسٹر اے ایچ غزنوی کا مسودہ منظور ہو گیا یہ ترمیمی قانون دو دفعات پر مشتمل ہے جو قانون جواز اوقاف مسلمانان ۱۹۳۰ء کے نام سے اب بھی مجموعہ قوانین پاکستان کا حصہ ہے اس کی دفعہ ۲ کی رو سے قانون جواز اوقاف مسلمانان، ۱۹۱۳ء اپنے آغاز نفاذ سے قبل کے تشکیل پذیر اوقاف پر اطلاق پذیر متصور ہو گا:

میں نے دو خاص اسباب کی بنا پر وقف علی الاولاد کے مروجہ قانون کا یہ تفصیلی پس منظر بیان کیا ہے۔ پہلا سبب تو یہ ہے کہ اس طرح ہمارے قارئین صبر و تحمل اور ہوش مندی کے اس جذبہ کا احساس کر لیں جس کے ساتھ ہمارے عمائدین کام کیا کرتے تھے۔ اسی ایک مسئلہ کو لے کر سر سید احمد خان، جسٹس امیر علی، مولانا شبلی نعمانی یا قائداعظم مسلمانوں میں ایک ہیجان بھی برپا کر سکتے تھے لیکن انہوں نے ایک زیادہ صبر آزما، زیادہ دشوار گزار لیکن زیادہ صحیح راستہ اختیار کیا اور آخر کار تقریباً پینتیس سال کی جدوجہد کے بعد بغیر کسی ہنگامہ اور بدمزگی کے وہ اپنی منزل تک پہنچ گئے اور ہمارے لیے یہ

---

۲۲ ایضاً جلد پنجم بابت ۱۹۲۹ء گورنمنٹ آف انڈیا پریس شملہ ۱۹۳۰ء، صہ ۱۶۳۳-۳۴

۲۳ ایضاً، جلد اول بابت ۱۹۳۰ء گورنمنٹ آف انڈیا پریس، دہلی، ۱۹۳۰ء صہ ۲۲۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سبق چھوڑ گئے کہ کامیابی کے لیے دلجمعی اور صبر و سکون شرط ہے۔ اس مضمون کو ضبط تحریر میں لانے کا دوسرا سبب زیادہ اہم ہے اس لیے اس کا قدرے تفصیلی بیان ضروری ہے۔

قائد اعظم کے پیش کردہ قانون کو نافذ ہوئے تقریباً ساٹھ سال گزر گئے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس قانون کے خلاف آج سے بیس پچیس سال پہلے ہی سے آوازیں اٹھنے لگی تھیں۔ گاہے گاہے اخبارات کے مراسلاتی کالموں میں مختلف حضرات یہ آواز اٹھاتے رہے ہیں کہ اس قانون سے موقوفہ جائداد کو فائدہ سے زیادہ نقصان ہوا ہے اور ہو رہا ہے کیونکہ متولی حضرات ایسی جائدادوں میں زیادہ دلچسپی نہیں لیتے جن پر انہیں مستقل مالکانہ حقوق حاصل نہ ہوں۔ افسوس یہ ہے کہ میری نظر سے ایسا کوئی مراسلہ یا مضمون نہیں گزرا جس میں دلائل کے ساتھ اپنی بات پیش کی گئی ہو اور مسئلہ کا (اگر واقعی ایک کوئی مسئلہ ہے) کوئی سنجیدہ حل بتایا گیا ہو بعض بعض مضامین تو ایسے بھی دیکھنے میں آئے جن سے صاف طور پر یہ معلوم ہوتا تھا کہ محروم الارث نے اپنے دل کے پھپھولے پھوڑے ہیں یا خود متولی نے اس غرض سے یہ بات کہی ہے کہ اس کے زیر تولیت جائداد وقف کی پابندیوں سے چھوٹ جائے اور اسے جائداد مذکورہ بیچنے کا حق مل جائے۔

اس قانون کے خلاف سب سے پہلے جس مستند ادارہ نے کوئی بات کہی وہ حکومت پاکستان کا قائم کردہ "شادی اور عائلی قوانین کا کمیشن" تھا۔ اس کمیشن نے عوام کی رائے معلوم کرنے کے لیے جو سوالنامہ جاری کیا تھا اس میں "وراثت اور وصایا" کے تحت سوال نمبر ۵ یہ تھا۔

"کیا آپ سمجھتے ہیں کہ وقف شدہ جائداد کے استعمال یا قیمت میں اضافہ کے لیے اسے عدالت کی اجازت سے فروخت کرنے یا تبدیل کرنے یا کسی اور طریقہ سے معاملت کرنے کے لیے وقف علی الاولاد کے قانون مجریہ ۱۹۱۳ء میں ترمیم یا اصلاح کی جائے؟"

اس سوال کے پڑھنے کے بعد پہلی بات ذہن میں یہ آتی ہے کہ اس مسئلہ پر کمیشن نے جو رائے دی ہوگی وہ حقائق اور دلائل سے مزین ہوگی لیکن افسوس کہ جب ہم کمیشن کی رائے دیکھتے ہیں تو ہمیں انتہائی مایوسی ہوتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کمیشن کے بعض اراکین کے ذہنوں میں پہلے سے اس قانون کے خلاف جذبات موجود تھے اور انہوں نے اپنی پہلی فرصت میں اس کا اظہار کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ کمیشن کی رائے اس سوال کی حدود سے بھی آگے بڑھ گئی جو خود کمیشن نے قائم کیا تھا۔ ملاحظہ کیجیے:۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"کمیشن کی رائے یہ ہے کہ وقف علی الاولاد کا قانون مجریہ ۱۹۱۳ء اپنی افادیت کھو چکا ہے اور اب اسے منسوخ کر دینا چاہیئے یہ قانون حقیقتاً کسی تعلیمی یا خیراتی ادارہ کو کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا۔ اور صاحب جائداد لوگوں کو یہ موقع فراہم کرتا ہے کہ وہ جائداد کو دائمی طور پر اس طرح پابند کر دیتے ہیں کہ مرورایام کے ساتھ ساری جائداد برباد ہو جاتی ہے حصہ داروں کی تعداد اس حد تک بڑھ جاتی ہے کہ ان میں سے کوئی بھی جائداد کی حفاظت اور بقا میں دلچسپی نہیں لیتا"[۲۴]

ملک کے مشہور عالم مولانا احتشام الحق تھانوی نے جو اس کمیشن کے ایک رکن تھے کمیشن کی رپورٹ کے خلاف اپنا ایک تفصیلی نوٹ دیا تھا۔ وقف علی الاولاد والے سوال پر ان کی رائے حسب ذیل تھی:۔

"وقف کے سلسلہ میں اگر یہ قانون بنا دیا جائے کہ متولی کو باجازت عدالت اس کو تبدیل کرنے کا اختیار ہوگا تو کوئی مضائقہ نہیں"۔[۲۵]

قانون مجریہ ۱۹۱۳ء کے متعلق آپ نے دیکھ لیا کہ وہ محض ایک استقراری قانون کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ مسلمانوں کو کوئی ایسی نئی چیز نہیں دیتا جو پہلے سے شریعت میں موجود نہ ہو بلکہ اس قانون کو منظور کرانے میں علما سے کر مسلمان مقننین تک نے سارا زور اسی پر دیا تھا کہ وقف علی الاولاد شروع ہی سے شریعت اسلامیہ کا ایک جز ہے اور قانون بنانے کی ضرورت اس لیے پیش نہیں آئی کہ اس وقف کی غیر ملکی حکومت اور غیر مسلم عدالتوں نے اسے مسلمانوں کا ایک متفقہ مسئلہ ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا محض ۱۹۱۳ء والے قانون کو منسوخ کر دینے سے وقف علی الاولاد کا حق مسلمانوں سے ساقط ہو جائے گا اور کیا جو اوقاف ۱۹۱۳ء سے پہلے یا بعد کے موجود رہیں وہ محض اس قانون کی منسوخی سے ٹوٹ جائیں گے۔ افسوس کہ کمیشن نے اتنی واضح بات کو نظر انداز کر دیا اور اس پر کوئی روشنی نہیں ڈالی۔ اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ کوئی شخص اس کے بعد اپنی جائداد اپنی اولاد کے لیے وقف

۲۴؎ شادی اور عائلی قوانین کے کمیشن کی رپورٹ، شائع کردہ وزارت قانون و پارلیمانی امور، مطبوعہ حکومت پاکستان پریس کراچی، ۱۹۶۳ء، صـ ۲۵ مزید ملاحظہ ہو جریدۂ پاکستان ۱۹۵۶ء غیر معمولی صـ ۱۲۳۲-۱۱۶۷

۲۵؎ شادی .... کمیشن کی رپورٹ، محولہ بالا صـ ۸۶ مزید ملاحظہ ہو جریدۂ پاکستان ۱۹۵۶ء غیر معمولی صـ ۱۶۰۴-۱۵۰۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں کرے گا اور اگر کوئی وقف ہوا تو پاکستان کی عدالتیں حدیث و فقہ کی روشنی میں اسے جائز قرار نہیں دیں گی۔

کمیشن کے سوال کو مدنظر رکھا جائے تو مولانا احتشام الحق صاحب کے جواب میں بھی تھوڑا سا سقم رہ جاتا ہے۔ مولانا کا جواب تبدیل کرنے سے متعلق ہے۔ کہا جاتا ہے اس میں تبدیل کرنے کی غرض سے فروخت کرنے کا عنصر بھی شامل ہے لیکن کسی اور طریقہ سے معاملت کرنے کے جز کا مولانا نے نوٹس نہیں لیا حالانکہ یہ بڑا اہم جز تھا۔

موجودہ دور میں تدوین قوانین اسلام کا ایک بہت عمدہ کام ادارہ تحقیقات اسلامی کے اعزازی مشیر قانون جناب تنزیل الرحمن کر رہے ہیں۔ مختلف مسائل پر رائے دینے میں انہوں نے جس بالغ نظری اور تبحر علمی کا ثبوت دیا ہے اس کی تعریف نہ کرنا ظلم ہوگا لیکن وقف علی الاولاد کا مسئلہ ان کے لیے بھی ذہنی خلجان کا باعث بنا رہا۔ جس کا اعتراف بڑی فراخ دلی کے ساتھ انہوں نے اپنی گرانبہا کتاب مجموعۂ قوانین اسلام کی جلد سوم کے دیباچہ میں ان الفاظ میں کیا ہے:۔

"میں نے وقف علی الاولاد کے مسئلہ میں جدید نقطۂ نظر کو اختیار کرنے یا رد کرنے سے متعلق کسی نتیجہ پر پہنچنے کے لیے کتاب کی تدوین کے آخری مرحلہ تک غور و خوض کیا لیکن کوئی حتمی فیصلہ نہ کر سکا۔ . . . مناسب ہوگا اگر محکمہ اوقاف بالغ نظر علمائے کرام اور فقہ اسلامی سے مناسبت رکھنے والے ماہرین قانون پر مشتمل ایک خصوصی کمیٹی کی تشکیل دے اور متعلقہ حکومت کو ایک مکمل اور جامع قانون اوقاف نافذ کرنے کے سلسلے میں مناسب قانون سازی کے لیے سفارشات پیش کرے"۔ [۴۶]

مذکورہ بالا تفصیلات سے یہ تو واضح ہو گیا کہ ۱۹۱۳ء والا قانون ایک سوچی سمجھی اور برس ہا برس کی مسلسل جدوجہد کا نتیجہ ہے اب اگر اس میں کوئی ترمیم کرنا یا اسے سرے سے منسوخ کرنا ضروری ہو تو اس فیصلہ کے لیے بھی کم از کم اس سے زیادہ ضرور غور کرنا پڑے گا۔ جتنے غور کا مستحق اسے شادی اور عائلی قوانین کے کمیشن نے سمجھا تھا۔

۴۶ـ تنزیل الرحمن، مجموعۂ قوانین اسلام، جلد سوم، ادارہ تحقیقات اسلامی۔ اسلام آباد، جنوری ۱۹۶۹ء، ص ۴۴، ۸۴۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"مختلف مسلم ممالک نے اپنے یہاں اس مسئلہ کا جو حل تلاش کیا ہے اس کی کیفیت یہ ہے کہ:۔
"حکومت مصر نے امام مالک کے مسلک کی متابعت میں ۔۔۔۔ یہ قرار دیا ہے کہ اگر وقف خیراتی ہو تو وہ عارضی اور دوامی دونوں صورتوں میں جائز ہوگا۔ وقف کو غیر خیراتی ہونے کی صورت میں از روئے قانون اس کی دوامی ہونے کو منع کیا گیا ہے۔ چنانچہ وقف علی الاولاد کی صورت میں دو پشتوں تک کی قید لگا دی گئی ہے اور ایسے وقف علی الاولاد کو جو باعتبار مدت کے ساٹھ (۶۰) سال سے زائد نہ ہو جائز قرار دیا گیا۔
لبنان میں اوقاف کا جو قانون بنایا گیا ہے وہ بڑی حد تک مصری قانون سے ماخوذ ہے بالخصوص وقف علی الاولاد کے مسئلہ میں مصری قانون کا اتباع کیا گیا ہے۔ چنانچہ وقف علی الاولاد کو جو دائمی ہوں ناجائز قرار دیا گیا ہے"[۲۷]
مصری قانون کی متعلقہ دفعہ "مصالح پر مبنی اجتہادی نوعیت کی حامل ہے"[۲۸]
مختلف فقہ میں وقف کے دوامی یا ابدی ہونے کی کیفیت یہ ہے کہ "پہلا گروہ جو تابید وقف کا قائل ہے اور وقف کے موقتی ہونے کو صحیح نہیں سمجھتا اس میں حنفیہ، شافعیہ، حنبلیہ اور ظاہریہ شامل ہیں"[۲۹] جبکہ دوسرے گروہ میں جو وقف کے موقتی ہونے کا بھی قائل ہے۔ مالکیہ اور بعض شیعہ امامیہ شامل ہیں"۔
"وقف کے دائمی ہونے کے قائلین کے دلائل" اور "وقف کی عدم ابدیت کی صحت کے قائلین کے دلائل" کا تفصیلی تجزیہ کرنے کے بعد جناب تنزیل الرحمٰن نے ایک جدید نقطہ نظر ان الفاظ میں پیش کیا ہے:"
"تابید وقف کے سلسلہ میں شیخ ابوزہرہ استاذ الشریعۃ اسلامیہ جامعۃ القاہرہ نے اپنی کتاب الوقف میں لکھا ہے کہ جو لوگ ابدیت کو وقف کے معنی و مفہوم کا جز قرار دیتے ہیں وہ تعداد میں ان لوگوں سے بہت زیادہ ہیں جو ابدیت کو وقف کے مفہوم کا جز نہیں

---

[۲۷] تنزیل الرحمٰن، مجموعہ قوانین جلد ہشتم ۱۰۸۶-۱۰۸۵ [۲۸] ایضاً صہ ۱۱۱۷ [۲۹] ایضاً صہ ۱۰۶۱-۱۰۶۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرار دیتے یعنی جو حضرات موقتی وقف کو بھی صحیح کہتے ہیں ان کی تعداد بہت کم ہے لیکن آراء کی قوت کا اعتبار کسی حکم کو گلے لگانے والوں کی تعداد کی کثرت سے نہیں ہوا کرتا بلکہ جس امر میں فائدہ کثیر ہو اور جس کی دلیل کی تائید ہوتی ہو ان آراء کو قوت حاصل ہوا کرتی ہے۔

اس کے بعد شیخ ابوزہرہ نے رائج الوقت مصری اور لبنانی قوانین کی دفعات جن میں امام مالک کے مسلک کو اپنایا گیا ہے بیان کرتے ہوئے امام مالک کے مذہب کو راجح قرار دیا ہے۔[۳۰]
شیخ ابوزہرہ کے جدید نقطۂ نظر کے برعکس خود جناب تنزیل الرحمٰن کی رائے یہ ہے کہ:

"مندرجہ بالا مباحث سے اس نتیجہ پر پہنچا جا سکتا ہے کہ بنیادی وقف کے لیے ابدیت شرط ہے خواہ اس کے بعد دیگر عوارضات کے اعتبار سے اس میں تغیر و تبدل کرنا پڑے۔ یہ امر مستثنیات میں سے ہوگا۔ لہٰذا ہمارے خیال میں وقف کا لفظ ہی اپنے خاص معنی و مفہوم میں اس کے دوامی ہونے پر دلالت کرتا ہے اور اس خصوصیت میں دوسرے صدقات سے ممیز و مختلف ہے"[۳۱]

"جدید نقطۂ نظر" کی اصطلاح کے بھاری بھر کم ہونے کے باوجود جناب تنزیل الرحمٰن کے نتیجۂ فکر سے بھی صرفِ نظر نہیں کیا جا سکتا اور موضوع کی اہمیت اس بات کی متقاضی ہے کہ اس پر مزید غور و فکر کیا جائے۔

یہاں ایک اور دلچسپ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ اگرچہ امام مالک اور بعض شیعہ امامیہ وقف کے موقتی ہونے کے بھی قائل ہیں لیکن وہ کسی وقف کے ابدی ہونے کو غلط بھی نہیں کہتے۔ لہٰذا مصر اور لبنان کے خطوط پر قانون سازی کر کے اگر کسی قسم کے وقف کو لازماً موقتی کر دیا جائے اور واقف کو پابند کر دیا جائے کہ وہ ابدی وقف نہ کر سکے تو یہ نہ صرف اس گروہ کثیر کے خلاف ہوگا جو وقف کے

۳۰؎ تنزیل الرحمٰن۔ مجموعۂ قوانین۔ جلد سوم صد ۱۰۷۰-۷۱
(مزید ملاحظہ ہو الوقف، شیخ ابوزہرہ، مطبوعہ مصر، ۱۹۵۹ء صد ۸۱-۷۳)

۳۱؎ ایضاً صد ۸۵-۱۰۸۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محض ابدی ہونے کا قائل ہے بلکہ اس قانون کی کمل تائید اس گروہ قلیل سے بھی نہیں ملے گی جو ابدی اور موقتی دونوں قسم کے وقف کا قائل ہے یعنی یہ مصالح پر مبنی ایک ایسا اجتہادی نوعیت کا قانون ہو گا۔ جس کی تائید کسی فقہی گروہ سے نہیں ملے گی۔

مرکوز بالا تفصیلات سے یہ واضح ہو گیا ہو گا کہ کسی ایک شخص کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ اس مسئلہ پر کوئی حتمی رائے دے سکے۔ اس لیے مناسب ہو گا اگر ملک کے اہل الرائے علماء اور ماہرین قانون بلکہ دوسرے واقف حال حضرات بھی اس پر غور کریں اور پھر ابدی وقف سے پیدا ہونے والی (اگر واقعی ایسا ہو) الجھنوں اور برائیوں کے ازالہ کی ترکیبیں سوچیں۔ اس رائے کے لیے حسب ذیل نکات کو بنیاد بنایا جا سکتا ہے!

۱۔ کیا وقف علی الاولاد واقعی مسلمانوں کا کوئی مسلمہ مذہبی مسئلہ ہے؟

۲۔ کیا قانون جواز اوقاف مسلمانان مجریہ ۱۹۱۳ء کے منسوخ کر دینے سے۔

(الف) تمام موجودہ اوقاف (علی الاولاد) ازخود ساقط ہو جائیں گے؟ اور

(ب) مستقبل میں قائم کیے جانے والے وقف (علی الاولاد) کو ناجائز تصور کیا جائے گا؟

۳۔ کیا وقف اور خصوصاً وقف علی الاولاد کو

(الف) بالکلیہ غیر قانونی قرار دیدیں یا

(ب) دو نسلوں یا ساٹھ سال (یا کسی اور مدت) تک موقتی بنانے کے لیے کوئی ایسا قانون بنایا جا سکتا ہے جو مداخلت فی الدین کے زمرہ میں نہ آئے؟

۴۔ کیا وقف علی الاولاد کے ابدی ہونے سے عملی طور پر واقعی موقوفہ جائداد کو نقصان پہنچ رہا ہے؟

۵۔ اگر شق (۴) کا جواب اثبات میں اور شق (۲) اور (۳) کا جواب نفی میں ہے تو کیا قانون سازی کے علاوہ کوئی اور ترکیب بھی بروئے کار لائی جا سکتی ہے۔

© rasailojaraid.com